خلاق مضامین مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ اجتہادی

جناب مہذبؔ لکھنوی مرحوم

لکھنؤ گلزار تھا وہ جان گلشن اب کہاں
شاعری اک خاص فن تھا ماہر فن اب کہاں

واہ رے لکھنؤ تیرا کیا کہنا۔ تو نے عجب عجب باکمال ہستیاں پیدا کیں۔ سرزمین لکھنؤ میں فن شعر وسخن کے متعلق کسی خاندان کسی قبیلے کی خصوصیت نہیں، یہ مانا کہ چند خاندان ذمہ دار فن کی حیثیت سے ایک خاص منزل تک پہنچ گئے لیکن دوسرے خاندان کے افراد نے بھی خداداد قوت کا مظاہرہ کیا۔ خصوصاً خاندان اجتہاد جس کی بعض فردوں نے اپنا لوہا منوا دیا۔ جہاں قابل ذکر حضرت جاویدؔ وفاخرؔ وذاخرؔ وحسینؔ وخورشیدؔ وغیرہم رحمہم اللہ ہیں وہاں فرد فرید ایک ہستی اور بھی ہے۔ جس کا سلسلہ نسب حضرت غفران مآبؒ سے ملتا ہے۔ نام نامی۔ جناب مولانا سید مہدی حسین صاحب المتخلص بہ ماہرؔ ابن زین العلماء مولانا سید علی حسین صاحبؒ ابن جناب سید العلماء علیین مکان مولانا سید حسین صاحبؒ ابن حضرت غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب رحمهم اللهؒ آپ کا سکہ تمام شعراء عہد کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ غزل گوئی میں ایک خاص رنگ کے مالک تھے۔ اکثر وہ مشاعرے جن میں بڑے بڑے اساتذہ شریک ہوتے تھے چند شعر پڑھ کے لوٹ لئے۔ آپ کی نازک خیالی اور ندرت تخئیل ضرب المثل تھی ایک دیوان بھی آپ کا طبع ہو چکا ہے۔ آپ مرثیہ گویوں کی صف میں ایک لاجواب مداح مان لئے گئے تھے آپ کے بہت بڑے بڑے مرثیے دشمنان زبان وادب کے پاس صندوقچوں میں بند ہیں جن کی کثیر قیمت مانگنے کی وجہ سے حاصل کرنا دشوار ہو گیا ہے۔

جناب سید میرزا صاحب تعشقؔ علیہ الرحمہ سے خاص تعلقات تھے موصوف حضرت ماہرؔ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خوش گوئی کے ایسے قائل تھے کہ اکثر وبیشتر رطب اللسان رہتے تھے۔ آپ رؤساء شہر میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی دولت کا سب سے بڑا حصہ عزائے سید الشہداؑء میں صرف ہوا۔ آپ کے مجالس کا اہتمام وانتظام اور خوش آئینی زباں زد خلائق ہے۔ ایک عمارت جو اپنی نوعیت کی انوکھی عمارت ہے تعمیر کرائی تھی۔ جس میں مجالس برپا کرتے تھے۔ جو انقلاب کی رو میں فروخت ہو گئی لیکن مکین کی خوش نیتی اور مکان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ مالک نظامی پریس جناب محمد جواد صاحب نے وہ عمارت خرید لی۔ جو اب تک اچھی حالت میں ہے اور مجالس جناب سید الشہداء برپا ہوتے رہتے ہیں آپ کے دو صاحبزادے تھے (۱) جناب سید نظیر حسین صاحب عرف بڑے صاحب مرحوم (۲) جناب سید عابد حسین صاحب عرف چھوٹے صاحب

مرحوم۔ دو صاحبزادیاں جن میں ایک کی شادی جناب مولوی لڈن صاحب خورشیدؒ کے ساتھ ہوئی تھی دوسری کی شادی جناب چھنگا صاحب حسینؔ کے ساتھ ہوئی تھی اتفاق سے دونوں داماد خاندانی خوش گو شاعر تھے بالخصوص مولوی لڈن صاحب خورشیدؔ جن کا اساتذۂ عہد میں شمار تھا۔ علم عروض میں خاص مہارت تھی۔ ان کی ایک تصنیف جس کا نام ''افادات'' ہے نہایت لاجواب وعدیم المثال تصنیف ہے جواب نایاب ہے۔ (خدا کا شکر ہے کہ ''افادات'' شائع ہو چکی ہے۔ ادارہ)

حضرت ماہرؔ مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے چھ گھوڑوں کی اور کبھی چار گھوڑوں کی گاڑی پر نکلتے تھے۔ تعریف یہ تھی کہ گھوڑے قابو میں رہتے تھے اور گاڑی خود چلاتے تھے اور بہت کم جگہ میں نہایت خوبصورتی سے گاڑی موڑ لیتے تھے۔

حضرت ماہرؔ کا انتقال غالباً ۱۹۰۴ء میں ہوا اور امام باڑہ جناب غفران مآبؒ میں اندر کے درجے میں دفن ہوئے۔ خدا غریق رحمت فرمائے۔

(مورخہ ۲۵ / جون ۱۹۵۲ء)

مرثیہ در حال جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

(۱۴۷ / بند)

مصنفہ مولانا ماہرؔ اجتہادی

گردوں پہ جب کھلا علم زر فشانِ صبح
ہونے لگے اُفق سے نمایاں نشانِ صبح
شاخوں پہ نغمہ سنج ہوئے طائران صبح
اکبرؑ نے دی سپاہ خدا میں اذان صبح
آگاہ تھے جو راہ حصولِ ثواب سے
اُٹھے سب آنکھیں ملتے ہوئے فرش خواب سے

خیمے کے در سے اک نے فلک پر نگاہ کی
اک تشنہ لب نے سرد ہوا کھا کے واہ کی
بستر لپیٹ کر کسی جاگے نے آہ کی
دیکھی کسی نے غور سے کثرت سپاہ کی
نکلے دلیر عہد وفا باندھتے ہوئے
ڈیوڑھی پہ آئے بند قبا باندھتے ہوئے

ڈنکوں پہ صبح دم کی جو چوبیں پڑیں اُدھر
ضربِ تیمّمی سے بجیں نوبتیں ادھر
آئی نہ شکل آب وضو جب کوئی نظر
مارے سبھوں نے ہاتھ تاسف سے خاک پر
مطلب یہ تھا کہ غم سے جگر چاک چاک ہے
پانی نہیں وضو کو تو دنیا پہ خاک ہے

تھا ہر جری نماز سحر کے شتاب میں
کپڑے پہن رہا تھا کوئی اضطراب میں
سب چوُر تھے ولائے ولایت مآب میں
لشکر سے بڑھ گیا تھا کوئی سعی آب میں
کہتے تھے کچھ تو آب کی ہم جستجو کریں
یہ عزم ہے کہ نہر پہ جاکر وضو کریں

دو دن کی پیاس میں وہ زباں کی طلاقتیں
فاقے میں تین دن کے وہ رخ کی بشاشتیں
باتیں حدیث جن کی، سخن جن کے، آیتیں
مرغوب شاہ جو وہ زباں میں فصاحتیں
حسن بیاں کو اہل بلاغت سے پوچھئے
باتوں میں جو مزا تھا وہ حضرت سے پوچھئے

وہ رعب چتونوں میں وہ ہیبت کہ الحذر
آنکھیں غزال ان کی، مگر شیر کی نظر
جنگ آزما، دلیر، اولوالعزم، پُر جگر
واقف کلامِ حق سے، حدیثوں سے باخبر
بے چین حسرتوں میں وصال و وصول کی
قرآں زباں پہ، کانوں میں باتیں رسولؐ کی

جُٹی بھویں وہ جن سے خجل ماہ یک شبہ
سجدوں کے وہ نشان، رخوں کا وہ کوکبہ
فوجوں کو جو دبائے وہ شیروں کا دبدبہ
گہہ سر سوئے فلک، کبھی پہروں مراقبہ
کہتے تھے جاں نثار تو جنت میں سوئیں گے
کیا گذرے گی حسینؑ پہ جب ہم نہ ہوئیں گے

مہرو کوئی حسیں تو کوئی آفتاب رو
وہ دبدبہ، وہ شان، وہ صولت، وہ آبرو
مصحف عذار کوئی، تو کوئی کتاب رو
اک تازہ آئینہ تھے وہ با آب و تاب رو
جلوہ تھا اس کے حسن کا اس روئے نیک میں
منھ صاف ایک کا نظر آتا تھا ایک میں

اُلٹا جہاں، جو دانتوں میں غصہ سے لب دبے
یہ بھی دبیں جو ابن امیر عرب دبے
جب یہ بڑھے تو فوجوں میں سب بے ادب دبے
لشکر دبا ہوا تھا غضب کے تھے دبدبے
ہلچل نہ کیوں ہو فوج ضلالت پناہ میں
اتّی اسد ٹہل رہے تھے رزم گاہ میں

وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ شبنمی
گرمی کا تو نچوڑ مگر آب کی کمی!
لب خشک اور نہ چشم میں ہے نام کو نمی
راتوں کو جاگنے کی وہ چہروں پہ برہمی
آنکھیں غضب سے غازیوں کی لالہ رنگ ہیں
چتون سے یہ عیاں ہے کہ جینے سے تنگ ہیں

یوں آزمودہ کار وہ ہنگام رُستمی
تلوار جس طرح سے کوئی ہو کسی دَمی
پلکیں تھیں وہ کہ تھی صف ہیجا میں برہمی
فوجیں بھگائیے یہ دلوں میں ہما ہمی
ابرو پہ بل تھے برچھیوں والوں کو دیکھ کر
بپھرے ہوئے تھے شیر غزالوں کو دیکھ کر

ناگاہ غل ہوا شہ گردوں رکاب آئے
پردہ حرم سرا کا اُٹھا لو جناب آئے
یوں یاوروں میں سبط رسالت مآب آئے
تاروں میں جس طرح سے نظر ماہتاب آئے
لامع جو نور چہرۂ پُرنور ہوگیا
رنگِ سحر بھی شرم سے کافور ہوگیا

سجادے پر امام فلک بارگاہ آئے
بہر سلام صبح رفیقان شاہ آئے
خیمے میں یوں حضور بصد عزّ وجاہ آئے
گویا پئے نماز رسالت پناہ آئے
ضو ماہ و آفتاب کی نظروں سے گر گئی
صورت رسولؐ پاک کی آنکھوں میں پھر گئی

قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ مکبّر نے جب کہا
اُٹھا پئے نماز دو عالم کا پیشوا
وہ سب کی قرأتیں وہ ساعت وہ اقتدا
کہتی تھی بندگی کہ یہ ہے طاعت خدا
وصف ان کا جن و انس و ملک سے رقم نہ ہو
ڈھونڈھیں تو حشر تک یہ جماعت بہم نہ ہو

فارغ نماز سے جو سپاہ خدا ہوئی
روشن جمال شاہ سے دولت سرا ہوئی
جاں آگئی قبول ہر اک کی دعا ہوئی
تیاری لوائے ظفر احتوا ہوئی
پٹکا تو آنکھیں ملنے کو تھا سب کے ہاتھ میں
چوب علم تھی حضرت زینبؑ کے ہاتھ میں

تکتی تھی غور سے کوئی رایت کی عز و شاں
بوئے رسول پاکؐ سے مہکا تھا سب جہاں
ہر جا علیؑ کے ہاتھ کے پیدا تھے جو نشاں
آنکھوں سے مل رہی تھیں پھریرے کو بی بیاں
مضطر تھے اہلبیتؑ تو سب اس خیال میں
وہ اور کچھ تھا روتے تھے شہہ جس خیال میں

سلجھا کے تار کوئی تو سہرا چڑھا گئی
کوئی بلائیں لے کے علم کو ہلا گئی
رعشہ ہوا کسی کو کوئی تھرتھرا گئی
اصغرؑ کی آنکھ سے کوئی پٹکا لگا گئی
روئی وہ منھ کو شاہ کی جانب سے موڑ کے
چلّہ یہ باندھنے لگی بالوں کو توڑ کے

روتے تھے اہلبیتؑ رسالت تو زار زار
شوق علم میں عونؑ و محمدؑ تھے بے قرار
بل کھا رہے تھے دوش پہ گیسوئے تابدار
دامن کمر میں ہاتھوں میں تیغیں تھیں استوار
پیدا رُخوں سے شوکت شیر الٰہ تھی
گہہ ماں کی سمت گاہ علم پر نگاہ تھی

ٹہلے کبھی تو جوش میں اور گاہ دم لیا
گہہ منھ سے نام جعفر عالی ہمم لیا
ثابت تھا کوئی دم میں ظفر نے قدم لیا
اب کی یہ اپنی جا سے بڑھے اور علم لیا
حضرت کو مژدۂ ظفری دے کے آئیں گے
بڑھنا یہ کہتا تھا کہ علم لے کے آئیں گے

ناگہ علم نے صحن میں رونق فزائی کی
حسرت تھی، خود نشان نے بھی پیشوائی کی
نکلا علم، عروس نے یا رونمائی کی
چمکے نصیب بخت رسا نے رسائی کی
ثابت ہوا نشاں جو زمیں سے اُٹھا لیا
معشوق سر و قد کو گلے سے لگا لیا

دونوں دلاوروں کو جو شوق لوا ہوا
برہم مزاج دخترِ خیرالنسا ہوا
فرمایا خیر تو ہے نیا ماجرا ہوا
اچھے بھلے ابھی تھے یکایک یہ کیا ہوا
حیراں ہوں کیوں نہ شرم وخجالت سے گڑ گئے
رایت کا دیکھنا تھا کہ تیور بگڑ گئے

جب سے علم نکلنے کی دیکھی ہے ہَول جوَل!
بگڑے ہوئے میں دیکھتی ہوں تیوروں کے ڈول
کیوں نا! مرے تمہارے یہی تھا قرار و قول
بچو تمہاری باتوں سے آتا ہے مجھ کو ہول
ہے آج ادّعا علم با وقار کا
دعویٰ کروگے کل مری جاں ذوالفقار کا

گردانتے سے دامنوں کے کیا مآل ہے
زلفوں کا پیچ و تاب میں کیوں بال بال ہے
صورت سے آشکار علیؑ کا جلال ہے
ماں کے بھی کچھ ملال کا تم کو خیال ہے
پوچھا نہ یہ کہ کون سے اندوہ و غم میں ہو
ماموں پہ کچھ ہو، تم تو خیالِ علم میں ہو

مجھ کو بھلی لگی یہ تمہاری نہ آن بان!
ماں کی نصیحتوں کا رہا کچھ نہ تم کو دھیان
میں خوب جانتی ہوں جو دل میں ہے میری جان!
اس سن میں اور پیچ کی باتیں خدا کی شان
ماں برہمی طبع کو بھی جانتی نہیں؟
روئی ہوئی بھی آنکھ کو پہچانتی نہیں؟

آتا نہیں خیال کہ ماموں پہ ہیں الم
سن کر یہ کیا کہیں گے شہنشاہِ با کرم
اس کے علاوہ مجھ کو یہ حیرت ہے دم بدم
حیدرؑ جسے اٹھاتے تھے یہ ہے وہی علم
یہ کام غیر بازوئے سرورؑ کسی کا ہے؟
سمجھے ہو کھیل جس کو یہ رایت نبیؐ کا ہے

اتنا تو سمجھو منھ سے نکالا کلام کیا
ماں دُکھ زدی کو دے رہے ہو یہ پیام کیا
سن کر اسے کہے گا ہر اک خاص و عام کیا
لوگو! اچھوتی چیز سے بچوں کو کام کیا
کچھ تو کہو کہ کوئی بھی اس میں فلاح ہے
کیسا یہ مشورہ ہے یہ کیسی صلاح ہے

بتلاؤ کچھ خیالِ شہِ بحر و بر بھی ہے
تم دونوں میں نگاہ کسی کی اُدھر بھی ہے
باتیں تو ہیں علم کی کسی پر نظر بھی ہے
چھوٹی بہو علیؑ کی کھڑی ہے خبر بھی ہے
کوئی نہ صورت الم و یاس دیکھ لے
سر کو کہیں نہ زوجہ عباسؑ دیکھ لے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
فوجوں پہ فوجیں آتی ہیں محشر ہے اک بپا
سید ہے تین دن سے مصیبت میں مبتلا
کیوں ان گنوں پہ شہ کی غلامی کا ادّعا
پاسِ سخن نہ فکر شہ خوش صفات ہے
دنیا میں سب برا کہیں اچھی یہ بات ہے

اُلٹے ہو آستینوں کو ہے شوق اس قدر
باتیں تھیں مجھ سے اور علم کی طرف نظر
ہے کچھ نہ فکرِ اخذِ علم یہ سہی مگر
رکھو تو سر پہ ہاتھ مرے سچ ہے یہ اگر
واقف ہے ماں بھی بیٹوں کی باتوں کے پھیر سے
سنتی تھی میں صلاح جو ہوتی تھی دیر سے

اچھا ملا بھی فوج خدا کا اگر نشاں
اپنے کو یا علم کو سنبھالوگے میری جاں
طاقت پہ کچھ نظر ہے نہ اپنے قویٰ پہ دھیاں
نام خدا، یہ سن، یہ ارادے، یہ آن باں
وسواس کی جگہ ہے نہ کیوں وا ہما کروں
ٹھنڈا اگر علم ہو تو اس وقت کیا کروں

گر مرد ہو تو صدمہ و آلام و غم اُٹھاؤ
بیٹھو فرس پہ ہاتھوں میں تیغِ دو دم اُٹھاؤ
آفت پہ آفت اور ستم پر ستم اُٹھاؤ
کرنی ہے طے یہ راہ تو جلدی قدم اُٹھاؤ
روتی ہوں اس لئے میں حزیں پھوٹ پھوٹ کے
ڈرتی ہوں قافلہ سے نہ رہ جاؤ چھوٹ کے

گر یہ کہوں، کہ سن کے تقاضے سے یہ ہوا
مسلم کے لال کیوں نہ ہوئے طالب لوا؟
حکم نبیؐ بغیر، نہ جعفرؓ نے بھی لیا
تم کون تھے، جو پاس علم کے گئے بھلا
لو دونوں اک علم کی طرف ساتھ بڑھ گئے
جعفرؓ کی بھی ہوس سے کئی ہاتھ بڑھ گئے

اب چاہو میرے سر کی قسم یوہیں کھا بھی لو
مانوں نہ میں ہزار جو باتیں بنا بھی لو
دل میں تھا یہ خیال کہ زور آزما بھی لو
دامن کمر میں رکھ کے علم کو اٹھا بھی لو
یہ بھی تمہارے واسطے اک سیر ہوگئی
میں آگئی کہو یہ بڑی خیر ہوگئی

باتیں یہ ہو رہی تھیں بصد صدمہ و محن
اتنے میں آکے کہنے لگے سرورؑ زمن
اک امر لازمی مجھے در پیش ہے بہن
آؤ الگ، تو تم سے کہے کچھ یہ بے وطن
ہر مصلحت میں حق پہ نظر ہو، تو خوب ہے
چھوٹی بہن بھی ساتھ اگر ہو، تو خوب ہے

یہ کہہ کے شہ نے پاس سے سب کو ہٹا دیا
عباسؑ نے بھی خیمے کا پردہ گرا دیا
حضرت نے دل میں سوچ کے کچھ مسکرا دیا
ذکر علم نے بھائی بہن کو ہنسا دیا
خلوت پسند رائے شہ کائنات تھی
بولی بہن کہ واقعی پردے کی بات تھی

بھائی بہن میں ہوتی تھی کچھ گفتگو اُدھر
باہر ٹہل رہے تھے علمدارؑ نامور
تھا اہتمام یہ کہ نہ آئے کوئی اِدھر
مشغولِ مشورہ ہیں شہنشاہِ بحر و بر
سب کو تو منع کرتے تھے حکم حضور سے
پر آپ خود کھڑے ہوئے سنتے تھے دور سے

ان کی یہ شکل اور رفقا کا یہ حال تھا
شائق ہر اک لوائے نبیؐ کا کمال تھا
تجویزیں ہورہی تھیں، جواب و سوال تھا
سب کو بہ اقتضائے خرد اک خیال تھا
کہتے تھے ایسے راز بھی دنیا میں کم کھُلے
نکلیں حضور جلد کہ حالِ علم کھُلے

باتیں ادھر یہ شہ کے عزیزوں میں ہوتی تھیں
زینبؑ سے کہہ رہے تھے اُدھر یہ امامؑ دیں
شب سے عجب طرح کے ہے ضغطے میں یہ حزیں
ہو کون حاملِ علمِ ختم مرسلینؐ
کس کو علم دوں، غم میں کسے مبتلا کروں
کچھ بات مجھ کو بن نہیں پڑتی میں کیا کروں

دیتا ہے بھانجوں کو علم گریہ خستہ تن
ہے یہ خیال ایک علم، دو ہیں صف شکن
حیراں ہے اس جگہ پہ یہ مظلوم و بے وطن
اب تم علم کے باب میں کیا کہتی ہو بہن
اِس کی خوشی کروں تو اُسے بھی تو غم نہ دوں
ہوگا ملول ان میں سے جس کو علم نہ دوں

کیا جانئے مشیت رب علا ہے کیا
اس وقت کی صلاح ہے کیا، اقتضا ہے کیا
مجھ کو یہی ہے فکر کہ یاں پر روا ہے کیا
بتلاؤ اے بہن کہ تمہاری رضا ہے کیا؟
خالق ہر ایک عقدۂ لا حل کو حل کرے
جو تم کہو اسی پہ یہ بیکس عمل کرے

زینبؑ نے عرض کی کہ مجھے اس میں دخل کیا
میری وہی رضا ہے جو ہے آپ کی رضا
اتنا مگر کہوں گی میں اے سرور ہدا
قابل ہیں اس نشان کے عباسؑ باوفا
رخ سے نمود شان خدا کے ولی کی ہے
جعفرؑ کا دبدبہ ہے تو شوکت علیؑ کی ہے

حیدرؑ ہیں اپنے عہد کے زور آزمائی میں
دیکھیں گے آپ رنگ جو ہوگا لڑائی میں
خشکی میں ببر، شیر نرینہ ترائی میں
ایسا جواں نہیں ہے خدا کی خدائی میں
صحرا نہیں، جبل کو جبل رولنے لگے
گونجے اگر یہ شیر تو رن بولنے لگے

وہ بولیں میری بھی یہی مرضی ہے یا امام
اب آگے جو صلاح شہنشاہ خاص و عام
فرمایا ہاں مجھے بھی نہیں اس میں کچھ کلام
میں کیا یہی علیؑ کی نصیحت بھی تھی مدام
اچھا یہ رائے ہے تو بلاؤ یہاں اُنھیں
خوش ہوں جو اپنے ہاتھ سے تم دو نشاں انھیں

اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے شہ کہ جایئے
چھوٹے چچا کو خیمے میں جلدی بلایئے
کہئے پھوپھی بلاتی ہیں تشریف لایئے
اکبرؑ نے دی صدا کہ چچا جان آیئے
اب رُخ کیا ہے عشرت وعیش وسرور نے
چلیے حضور یاد کیا ہے حضور نے

ناگاہ غل ہوا کہ وہ چھوٹے حضور آئے
اکبر بھی ساتھ ساتھ بفرح و سرور آئے
بھائی کی پیشوائی کو شاہ غیور آئے
ہمراہ لے کے آپ بہن کے حضور آئے
فرمایا سر کو شرم و حیا سے جھکائے ہیں
تم نے انھیں بلایا تھا زینبؑ یہ آئے ہیں

زینبؑ نے مسکرا کے کہا پاس آیئے
شان و شکوہ فوج ستم کو دکھایئے
میداں میں بن کے جعفر طیار جایئے
لیجے نشانِ فوج خدا کو اُٹھایئے
رکھتے ہیں وہ خیال بڑوں کا جو خُرد ہیں
حضرت خدا کے بعد تمہارے سپرد ہیں

یہ ذکر تھا کہ فوج میں باجے بجے اُدھر
قرنا کے غلغلے سے ہلے کوہ دشت و در
خیمے میں آکے اکبرؑ مہرو نے دی خبر
فوجیں قریب آگئیں یا شاہ بحر و بر
لازم ہے کوئی سدِّ رہ فوج شام ہو
ہم بھی بڑھیں ادھر سے جو حکم امام ہو

غل ہے صفوں میں ابن شہ قلعہ گیر آئے
فوج امام دیں کے مقابل شریر آئے
جب تک کہ باہر ابن جناب امیر آئے
اتنے میں دوسری خبر آئی کہ تیر آئے
واں مورچوں کو بانی شر باندھنے لگے
جلدی سے اٹھ کے شاہ کمر باندھنے لگے

ڈیوڑھی پہ غل ہوا کہ شہ خاص و عام آئے
خدام بارگاہ پئے اہتمام آئے
مثل نسیم جب فرس تیز گام آئے
پردہ اُٹھا، امام فلک احتشام آئے
نور جبیں سے دیدۂ بدخواہ کور تھا
ہر سو جہاں پناہ سلامت کا شور تھا

گھوڑے پہ اس شکوہ سے سلطان دیں چڑھے
جس حسن سے کہ خاتم زر پر نگیں چڑھے
گھوڑوں پہ ناصرانِ امام مبیں چڑھے
گردوں کا رُخ کئے تھے وہ گھوڑے زمیں چڑھے
پریوں کی تھی صدا کہ یہ اڑنے میں طاق ہیں
کہتی تھی برق بھی کہ یہی تو براق ہیں

میداں میں جب سواری شاہ ہدا چلی
غنچوں نے دیں چٹک کے صدائیں صبا چلی
جلدی میں یوں جہاد کو فوج خدا چلی
جنگل میں مرکبوں کی ڈپٹ سے ہوا چلی
غنچوں کی طرح نقش قدم کِھل کے رہ گئے
اُٹھا غبار، دشت و جبل ہل کے رہ گئے

پہنچے جو اس شکوہ سے شہ رزم گاہ میں
کثرت سپاہ کی نہ سمائی نگاہ میں!
باجے بجے نبرد کے جنگی سپاہ میں
تیر آئے فوج باد شہ دیں پناہ میں
رخصت کے شور فوج شہ دیں میں پڑ گئے
کھائے جو زخم شیروں کے تیور بگڑ گئے

لے لیکے اذن جنگ چلے جب وہ منچلے
لاکھوں کے ایک اک نے کئے تنگ حوصلے
مرنے پہ جان دیتے تھے اللہ رے ولولے
آخر کو منکے ڈھلنے لگے دوپہر ڈھلے
حال آفتابِ فاطمہؑ کا غیر ہوگیا
تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہوگیا

اس دم عجب تھی شہ کو پریشانی حواس
پٹ پڑ وہ بن، وہ دھوپ وہ گرمی وہ لوں وہ پیاس
لاشوں بغیر اور نہ تھا کوئی آس پاس
آخر کو آئے خیمے میں ملنے بدرد و یاس
فرمایا غیر شکر زباں آشنا نہ ہو
جلدی ملو بہن کہ مسافر روانہ ہو

افسوس کی جگہ ہے کہ تم اشکبار ہو
آل رسولؐ پاک کو یہ اضطرار ہو
بولی بہن کہ دل کو بھی تو کچھ قرار ہو
مرنے کی کیا ٹھہر گئی زینبؑ نثار ہو
مومن جہاں ہوں خط انھیں تحریر کیجئے
زینبؑ نثار ہو کوئی تدبیر کیجئے

فرمایا صبر و شکر سے رُتبے بلند ہیں
زیبا انھیں کو درد ہے جو درد مند ہیں
گھیرے ہوئے چہار طرف خود پسند ہیں
زینبؑ! حسینؑ قید ہے، راہیں بھی بند ہیں
بس بس تمہاری باتوں نے مارا حسینؑ کو
بے تیغ کھینچے اب نہیں چارا حسینؑ کو

یہ ذکر تھا کہ سامنے سجادؑ زار آئے
جلدی پکڑ کے ہاتھ یہ شہ نے سخن سنائے
بیٹھو کہ تم کو غش کہیں اے لال آ نہ جائے
بیمار نے کہا کہ غضب کیا ہوا یہ ہائے
کیسے ستم ہوئے سپہ بد نہاد کے
افسوس ہے کہ ہم نہیں قابل جہاد کے

شہ نے کہا ستائیں ستمگر تو کیا کروں
مانیں کسی طرح نہ بد اختر تو کیا کروں
نزدیک خیمہ آئے جو لشکر تو کیا کروں
مجبور کردیا، نہ لڑوں گر تو کیا کروں
بجتے ہیں طبل جنگ نشاں ہیں گڑے ہوئے
سجادؑ اب علاج نہیں بے لڑے ہوئے

لاکھوں کو اک غریب کا ڈر ہو تو خاک ہو
پسپا ہجوم لشکر شر ہو تو خاک ہو
بیکس کے درد دل کی خبر ہو تو خاک ہو
پتھر ہیں سب کے قلب، اثر ہو تو خاک ہو
بلواکے پاس گھر سے مجھے دور کردیا
مختار کائنات کو مجبور کردیا

یہ ذکر تھا کہ طبل پہ چوبیں پڑیں اُدھر
فرمایا آپ نے کہ خدا حافظ اے پسر
مڑ کر چلے جو در کی طرف شاہ بحر و بر
روتے چلے حرم بھی عقب میں بچشم تر
شبیرؑ یوں خدا سے طلب گار عون تھے
دیکھا نہ مڑ کے آپ نے پیچھے کہ کون تھے

خیمے سے رن کو جب شہ گلگوں کفن چلے
معراج کو رسولؐ سر انجمن چلے
تلوار تولتے ہوئے شاہ زمنؑ چلے
خیبر کے در کو کھولنے خیبر شکن چلے
فرمایا لاؤ منتظر راہوار ہوں
حکم اللہ ہے کہ میں جلدی سوار ہوں

فرمایا پھر اشارے سے جلدی عقاب لاؤ
اک غل ہوا کہ توسنِ صر صر خطاب لاؤ
رخش گہر عنان و جواہر رکاب لاؤ
حضرت کھڑے ہیں دھوپ میں گھوڑا شتاب لاؤ
طبع جہاں پناہ دو عالم ملول ہے
کب سے پیادہ راکب دوش رسولؐ ہے

رشک نسیم وغیرت کبک دری کو لاؤ
سیاح ہفت گلشن نیلوفری کو لاؤ
ہاں جلد رہرو فلک اخضری کو لاؤ
برہم ہے طبعِ فخرِ سلیماں پری کو لاؤ
دنیائے دوں نگاہ میں اندھیر ہوگئی
اتنی فرس کے آنے میں کیوں دیر ہوگئی

اصطبل سے فرس کے اب آنے کو دیکھئے
سینے سے تھوتنی کے ملانے کو دیکھئے
ایک ایک گام ناز سے جانے کو دیکھئے
راکب کو سر ہلا کے بلانے کو دیکھئے
مطلب یہ تھا بہارِ ریاضِ بتولؑ آ
حاضر فرس ہے راکب دوشِ رسولؐ آ

لو پاس آکے ناز کئے وہ عقاب نے
آنکھوں میں لو قدم کو جگہ دی رکاب نے
دامن کمر میں بٹ کے رکھا لو جناب نے
لو دی وہ زین زر کو ضیا آفتاب نے
غل تھا چلے جو رخش، جہاں کی ہوا پھرے
دُم ہو چنور تو سر پہ نہ کیونکر ہما پھرے

وہ رخش اور وہ شان رُخ پر عتاب کی
تھی چاندنی کے پھول میں رنگت گلاب کی
حیدرؑ کا دبدبہ تھا کہ سطوت جناب کی
سر پر چنور بنی تھی کرن آفتاب کی
پایا سبک کہیں فلک کج مدار کو
میزاں میں جب رکاب نے تولا وقار کو

گلگوں چلا جو چال کو قصداً بگاڑ کے
پھولوں نے لیں بلائیں گریباں کو پھاڑ کے
پیچھے چلی شمیم جو گلشن اجاڑ کے
بولی صبا میں جاتی ہوں دامن کو جھاڑ کے
بس بوئے گل بھی اس سے تو شرما کے رہ گئی
صر صر بھی سر پہاڑ سے ٹکرا کے رہ گئی

بالکل تھا رنگ باد بہاری کا پاؤں میں
غنچے چٹک رہے تھے قدم کی صداؤں میں
گلگوں چلا ریاضِ جناں کی ہواؤں میں
بھاگی نسیم باغ سے تاروں کی چھاؤں میں
شرمندگی سے آنکھوں کو پھیرے نکل گئی
اچھا ہوا نسیم سویرے نکل گئی

برق اس کی گرمیوں سے نہ شرمائے کس طرح
عنقا ہو ایک شے تو کوئی لائے کس طرح
دلبر کی ہو ادا تو نہ دل آئے کس طرح
تڑپے جو دل فراق میں سمجھائے کس طرح
جب تیغ تیز ہجر کلیجے پہ چل گئی
کوسوں صبا تلاش میں اس کی نکل گئی

دیکھے جو حسن پاس سے گلگوں کی یال کے
لیلیٰ بھی روئے ہاتھ کو گردن میں ڈال کے
پریوں کو بھی یہ عشق تھے اس پیاری چال کے
قدموں کے نیچے رکھ دیئے تھے دل نکال کے
آنکھیں جہاں نے پاؤں کے نیچے بچھائی تھیں
یوں پتلیاں قدم کی اسے ہاتھ آئی تھیں

اللہ ری تیزیاں کہ وہ باہر تھا آپ سے
اُڑ جاتا تھا نسیم کے پاؤں کی چاپ سے
شعلے کو کیوں حجاب نہ ہو اس کی تاپ سے
صحرا میں آگ لگ گئی تھی منھ کی بھاپ سے
اب یاں پہ ذکر سبزۂ صحرا گناہ ہے
سایہ جلا تھا یہ کہ ابھی تک سیاہ ہے

ناگہ سواری آئی شہ دیں پناہ کی!
تھرائے دل زمیں جو ہلی رزم گاہ کی
پھیلی تھی منزلوں جو سیاہی سپاہ کی
تن کر سبھوں پہ مثل ید اللہ نگاہ کی
تھی شام تک جو فوج کی حد رزم گاہ سے
دن ہوگیا تھا رات، سواد سپاہ سے

جس دم رہا نہ صبر دل بے قرار میں
آواز دی یہ حوصلۂ گیر و دار میں
شیروں کو حد کا شاق ہے وقفہ شکار میں
او ابن سعد دیر ہے کیا کار زار میں
نامرد! دل ہے پیاس سے یاں اضطراب میں
کب تک کھڑے رہیں طپش آفتاب میں

فرمایا تھم کے، دیر ہے کیا اب نکل کے آؤ
دل میں اگر ہوس ہے تو تیور بدل کے آؤ
بجھنا ہے گر چراغ کے مانند جل کے آؤ
جان علیؑ ہوں سامنے میرے سنبھل کے آؤ
غازی نہیں زمیں کے طبق گر اُلٹ نہ دوں
کہنا نہ پھر حسینؑ، جو دنیا پلٹ نہ دوں

جب یوں پڑھا رجز شہ گیہاں خدیو نے
گردوں دوں کے گوش کیے کر غریو نے
پستی دکھائی قصر ضلالت کی نیو نے
اپنی جگہ سے کی حرکت ایک دیو نے
خیمے کے دور مات تھے اس کی لپیٹ سے
اس دن جبل نے پاؤں نکالے تھے پیٹ سے

تھا گنبد حدید کہ خودِ سر شریر
چہرے کی تھیں رگیں کہ جبل پر بنی تھی قیر
کف کی لبِ کبود سیہ رو پہ تھی لکیر
یا کوہ بے ستوں سے نمایاں تھی جوئے شیر
مونچھیں نہ تھیں سیاہ لبِ نابکار پر
جوڑا تھا اژدہے کا کہ بیٹھا تھا غار پر

وہ نقش جس سے نقش بنیں پائے فیل کے
آنکھیں تھیں یا حباب تھے دریائے نیل کے
نیزے سے کم نہ بال تھے ریش طویل کے
دوزخ سے جا ملے تھے دوراہے سبیل کے
رُخ وہ سیاہ جس کو جہاں میں دھواں کہیں
آنکھوں کے وہ گڑھے جسے اندھا کنواں کہیں

بولا شقی میں بار ہوں سر پر پہاڑ کے
خیبر سے لاکھ در ہوں تو پھینکوں اکھاڑ کے
جب نعرہ زن ہوا ہوں قدم رن میں گاڑ کے
بھاگے ہیں دیو زاد گریبان پھاڑ کے
دنیا میں دار ظلم و ضلالت کی نیو ہوں
جن بھاگتے ہیں سایہ سے جس کے وہ دیو ہوں

رستم کو مانتا نہیں میں وقتِ کارزار
تیغہ مرا وہ ہے کہ منوں کا ہے جس کا بار
ہوتا ہے بھوت مجھ پہ جو میدان میں سوار
ڈرتا نہیں خدا سے، بشر کا ہے کیا وقار
بگڑا ہوں جب جہان کی حرص و ہوا سے میں
اکثر لڑا ہوں اپنی جگہ پر خدا سے میں

ہے کشت و خوں جہان میں سودائے سر مرا
آہن مرا ہے قلب تو پتھر جگر مرا
سن خانہ جنگیوں میں ہوا ہے بسر مرا
روشن چراغ تیغ سے رہتا ہے گھر مرا
بے زخم کھائے چھوٹ گیا کون ہاتھ سے
یاں تک کہ باپ قتل ہوا میرے ہاتھ سے

مانے ہوئے ہیں مجھ کو جوانان سرفراز
ہوں بچپنے سے دست دراز و زباں دراز
کیا مجھ میں اور سنگ و شرر میں ہوا امتیاز
ہنگامِ ضرب کھلتے ہیں میرے بھی دل کے راز
پیاسے سے خاک لطف ہو تیغ آزمائی کا
ہوتے اگر علیؑ تو مزا تھا لڑائی کا

سب جانتے ہیں قلزم آفت کا ہوں نہنگ
دل توڑتا ہے کوہ کا میرا ہر اک خدنگ
تجھ ایسے تشنہ کام سے کرتا نہ قصد جنگ
ایسا ہی امر تھا کہ گوارا کیا یہ ننگ
اک کام پر ولید کو مامور کردیا
حاکم کے حکم نے مجھے مجبور کردیا

فرمایا بس خموش ہو او مرتد وجہول
دعوائے بے دلیل نہیں قابل قبول
کیونکر ترا، نہ اہل سفاہت میں ہو شمول
تیرے حمق پہ دال ہے قامت کا تیرے طول
طول کلام جنگ میں دانش سے دور ہے
او بے خرد یہ سب ترے قد کا قصور ہے

سرکش! ہمارے سامنے یہ لاف کے کلام
او سگ نہ لے زبانِ نجس سے علیؑ کا نام
تیری تو کیا بساط ہے او نطفۂ حرام
جبریل سے رُکی نہیں اس شیر کی حسام
جان ان کو مغتنم کہ خدا کے ولی نہ تھے
کچھ دن کی زیست تھی کہ جہاں میں علیؑ نہ تھے

وہ شیر کردگار تھے اور تو ہے بزدلا
باتوں سے خود عیاں ہے کہ ہے تنگ حوصلا
وہ اب نہیں ہے، قبل جو تھا دل میں ولولا
حیدرؑ سے کس طرح ترا ہوتا مقابلا
قسمت سے قبر میں بھی نہ سوئے گا چین سے
سفاک! تیری موت ہے دستِ حسینؑ سے

کیا کہہ رہا ہے ہوش ہیں اس دم کدھر ترے
سب خاک میں ملیں گے یہ سودائے سر ترے
ممکن نہیں کہ روز سیہ ہوں بسر ترے
سرکش بڑے ہیں واقعی قلب و جگر ترے
بیہوش کچھ خبر بھی ہے باتوں کے دھیان میں
آواز دل دھڑکنے کی آتی ہے کان میں

کیا ہوگا دیں گے آگ جو سر میں چراغ تیغ
دم میں جلیں گے دیدۂ تر میں چراغ تیغ
کہتا تھا تو کہ جلتے ہیں گھر میں چراغ تیغ
اب دن کو شب کریں گے نظر میں چراغ تیغ
تو اپنی زندگی سے ہو خودسیر تو سہی
کردیں وہی چراغ نہ اندھیر تو سہی

بولا شقی شعار ہے بغض و حسد مرا
ممکن نہیں کسی سے ہو اک وار رَد مرا
دعویٰ تن قوی سے ہے خود مستند مرا
دریائے قہر سے نہیں کم جزرومد مرا
سنگینی گنہ سے سبک کوہسار ہے
لاکھوں کے خون کا مری گردن پہ بار ہے

اس رات کو غضب میں کمر کھولتا نہیں
جس روز لشکروں کے میں دل رولتا نہیں
ہاتھ اینٹھتے ہیں تیغ اگر تولتا نہیں
آتی نہیں ہے نیند چورن بولتا نہیں
وہ جنگ جو ہوں میں کہ کلیجے پہ داغ ہیں
لاکھوں ہیں گھر جو دَم سے مرے بے چراغ ہیں

مہمیز کی یہ کہہ کے ستمگار نے ادھر
پہنچی یہ افسران سپہ کو خبر اُدھر
تیغ آزما ولید سا ہوتا ہے حملہ ور
تولے ہے تیغ ادھر بھی ید اللہ کا پسر
ہے بازوئے حسینؑ، شہِ لا فتا کا زور
نکلا ہے آستین کے باہر خدا کا زور

ہاں ساقی سخن ہمہ تن جوش کر مجھے
جلد آفتاب رو سے ہم آغوش کر مجھے
دو چار جام دے کے نہ خاموش کر مجھے
کہتا ہوں صاف ہوش میں، بے ہوش کر مجھے
وہ جام دے کہ جس میں لڑائی کی سیر ہو
خُم کا بھلا ہو ساقی مہوش کی خیر ہو

وہ مے پلا کہ قلب کو جس سے سرور ہو
گرد ملال و کلفتِ ایام دور ہو
عیش و فرح، نشاط و طرب کا وفور ہو
یہ سب تو ہو مگر مجھے غش بھی ضرور ہو
بے ہوش ہوں جو عشق میں اک آفتاب کے
چھینٹے بھی دے مجھے تو لہو سی شراب کے

برہم ہے ابن باد شہ قلعہ گیر دیکھ
تیور بدلتے ہیں شہ گردوں سریر دیکھ
بڑھتے ہیں آپ غیظ میں سوئے شریر دیکھ
لے تیغ تولتے ہیں جناب امیرؑ دیکھ
لے اب تو تیرے قلب کی حسرت نکل گئی
آخر کو جتنوں ہی میں تلوار چل گئی

مشتاق سیر جنگ تھے دو لاکھ درعہ پوش
اُڑتے تھے جرأت شہ والا سے سب کے ہوش
وہ شور طبل کا تھا، نہ قرنا کا وہ خروش
لاکھوں کی تھی تو فوج مگر ساکت و خموش
ہموار بہر سیر تھے پست و بلند بھی
چپ تھے کنوتیوں کو ملائے سمند بھی

پہنچی تھی اُڑ کے گرد بھی صحرا کی کوہ پر
جتنے سمند تھے وہ اٹھائے ہوئے تھے سر
گھوڑوں پہ دیکھتے تھے کھڑے ہو کے اہل شر
منھ کو نشیمنوں سے نکالے تھے جانور
دیکھی نہ تھی جو آنکھ سے جنگ اس شکوہ کی
بیٹھے تھے جا کے شیر بھی چوٹی پہ کوہ کی

ناری بڑھا فرس کو جو گرما کے ایک بار
نکلی ادھر بھی میان سے شمشیر آبدار
تھے محو سیر دور سے لشکر کے نامدار
آفت کا معرکہ تھا قیامت کا کارزار
خالی تھا کوئی قلب نہ اس وقت درد سے
جانیں لڑی ہوئی تھیں ہزاروں نبرد سے

آیا جو پاس گھوڑے کے گھوڑا لڑائی میں
روباہ کو اسد نے جھنجھوڑا لڑائی میں
جب ہاتھ اس نے تیغ کا چھوڑا لڑائی میں
منھ پر پڑا تڑاق سے کوڑا لڑائی میں
پڑتی تھی سیلی جلد پہ جب رو سیاہ کی
آتی تھی تازیانے سے آواز آہ کی

دہنی طرف جو آئے شہ ارجمند پھر
کیا کیا اُلجھ اُلجھ کے دبا خود پسند پھر
جھنجھلا کے نابکار نے پھینکی کمند پھر
بچ کر نکل گیا فرس سربلند پھر
خالی گئی کمند جو یوں بد شعار کی
غل تھا یہ ران باگ ہے دلدل سوار کی

آفت کی کارزار تھی شیر و پلنگ میں
یہ فخر روزگار، وہ یکتا تھا ننگ میں
گہہ دانت پیسے شیر دلی کی اُمنگ میں
چپکے سے گاہ جوڑ لیے ہاتھ جنگ میں
یوں لڑ رہے تھے آپ جو اس نابکار سے
غل تھا کہ شیر کھیل رہا ہے شکار سے

ظالم نے کی جو بے ادبی کچھ جدال میں
طاقت رہی نہ ضبط کی زہراؑ کے لال میں
جھپٹے مثال شیر درندہ جلال میں
ڈالا غضب میں ہاتھ کمر کی رِوال میں
دکھلا کے شہ نے زور جناب امیرؑ کو
پھینکا اُٹھا کے زیں سے ہوا پر شریر کو

فی النار ہوگیا جو لعیں رزم گاہ میں
در آئے رخش چھیڑ کے حضرت سپاہ میں
تلوار برق بن گئی سب کی نگاہ میں
ہلچل ہوئی جنود ضلالت پناہ میں
دیکھا جو بھاگتے ہوئے ہر کینہ خواہ کو
جھانجوں نے ہاتھ جوڑ کے روکا سپاہ کو

قبضے پہ پھر پڑا شہ گلگوں قبا کا ہاتھ
تھاما اجل نے پھر سپہ پُر دغا کا ہاتھ
کھلتا ہے پھر وہ فوج پہ مشکل کشا کا ہاتھ
پھر آستیں چڑھی نکل آیا خدا کا ہاتھ
پھر دست حق سے فوج ملائک لپٹ گئی
پھر آستیں کے ساتھ ہی دنیا الٹ گئی

چھوڑے جو ہاتھ فوج پہ اس شہ سوار نے
کھائی شکست فوج ضلالت شعار نے
لشکر کو بے نمود کیا نامدار نے
کوسوں سرک کے چھاؤنی چھائی غبار نے
مشتاق تھے جو رن میں پہاڑوں کی آڑ کے
ٹھہری نہ گردباد بھی خیمے اُکھاڑ کے

سالم ہو جس کا تن کوئی ایسا جواں نہ تھا
تھا کون مرغِ روح جو بے آشیاں نہ تھا
سکتہ یہ تھا کہ خون بدن کا رواں نہ تھا
کوسوں بجز غبار علم کا نشاں نہ تھا
جنبش نہ تھی کمان خطا ساز کے لئے
پر تولتے تھے تیر بھی پرواز کے لئے

منھ سے زباں، زبان سے تھی گفتگو جدا
سینے سے دل، تو دل سے ہر اک آرزو جدا
گلشن سے پھول دور تھے، پھولوں سے بو جدا
تن سے رگیں جدا تھیں رگوں سے لہو جدا
ذرّے سَرِ ہوا نہ تھے دشت نبرد کے
صحرا کی دھوپ اڑتی تھی پردے میں گرد کے

وہ بن سوار دوش نبیؐ کی وہ چابکی
گرمی سے سانس آتی تھی منھ تک رُکی رُکی
بجلی بنی نگاہ اگر خاک پر جھکی
چلا رہی تھی دشت میں قرنا پھکی پھکی
گرمی سے تھے جو جان کے لالے پڑے ہوئے
دامن ہلا رہے تھے نشاں سب کھڑے ہوئے

چٹیل وہ بن، وہ دھوپ کی گرمی کہ الاماں
گردونِ دُوں پہ تھا کرۂ نار کا گماں
تیغوں کی وہ چمک، وہ ہر اک شعلے کی سناں
قبضوں کی بھی دہن سے نکل آئی تھی زباں
کشتے تھے سب جو گرمی دشت قتال کے
بوندیں توے کی بن گئے تھے پھول ڈھال کے

گلشن سے ڈر کے طائر رنگ بہار اُڑے
شہباز آئے جب تو نہ کیونکر شکار اُڑے
نزدیک تھا زمین بھی مثل غبار اُڑے
غبارے کی طرح فلک کجمدار اُڑے
معدوم کفر و شرک تھا دہشت سے دین کی
جادے نہ تھے کھنچی تھیں طنابیں زمین کی

اس ضربت گراں کا نہ جس وقت بار اُٹھا
بیٹے کو باپ، باپ کو بیٹا پکار اُٹھا
طوفان آب تیغ دم کارزار اُٹھا
تھرائے کوہ، ہل گئی گیتی، غبار اُٹھا
مانگی جو رکن دیں سے اماں روزگار نے
چادر ہلائی اُٹھ کے زمیں سے غبار نے

آتے تھے یوں حسینؑ ہر اک نابکار پر
جس طرح آئے شیر درندہ شکار پر
پہنچی تھی گرد یہ فلکِ کج مدار پر
ٹھہرا ہوا تھا چرخ ستونِ غبار پر
نقشے بگڑ گئے تھے جو اس دم جہان کے
قلابے مل گئے تھے زمین آسمان کے

ہاں ہے یہ حال شام کا سنیے اب اضطرار
سب شہر اُلٹ پلٹ ہے غضب کا ہے انتشار
دارالامارہ بھی جو لرزتا ہے بار بار
بیٹھا ہے تخت تھامے یزید ستم شعار
ادبار کے نشاں سے پراگندہ ہوش ہیں
تصویر کی طرح رؤسا سب خموش ہیں

گہہ دیکھتا تھا شان شقی بارگاہ کی
گہہ ہاتھ مارا تخت پہ گہہ دل سے آہ کی
گہہ سر جھکایا فکر میں گہہ منھ سے واہ کی
محفل میں گہہ یہاں سے وہاں تک نگاہ کی
مطلب یہ تھا کہ کچھ نہ یہاں تمکنت چلی
لو ہل رہا ہے تخت مری سلطنت چلی

آتا نہیں سمجھ میں مری ماجرا ہے کیا
دم بھر نہیں قرار زمیں کو ہوا ہے کیا
اس وقت کی صلاح ہے کیا مقتضا ہے کیا
زیر و زبر جہان کا، یہ معرکا ہے کیا
اہل نجوم و رمل کی تقریر چاہیۓ
امر عظیم ہے کوئی تدبیر چاہیۓ

ناگاہ بارگاہ میں اہل نجوم آئے
ارباب عقل و صاحب فن و علوم آئے
سرخم کئے ادب سے سوئے بزم شوم آئے
سب بڑھ کے پہلے تخت کے پائے کو چوم آئے
پھر کی ثنا یزید ضلالت پناہ کی
مانگی دعا ترقی اقبال و جاہ کی

خوش ہو کے ان سے کہنے لگا تب وہ نابکار
دیکھو کہ آج شہر میں یہ کیا ہے انتشار
ویران کیوں نگاہ میں ہے شہر اور دیار
کیوں زلزلہ زمین کو ہوتا ہے بار بار
بولے وہ بے نظیر ہیں ہم کائنات میں
سر قطع کیجئے جو پڑے فرق بات میں

کھولی یہ کہہ کے ہاتھ میں ہر ایک نے کتاب
پھینکا کسی نے رمل، کسی نے کیا حساب
جب تک کریں وہ اپنے جوابوں کا انتخاب
ہر قلب کو عجیب طرح کا تھا اضطراب
رکھا تھا سب نے طاق پہ آداب و داب کو
تکتے تھے سب جھکے ہوئے ان کے حساب کو

کھینچا جو زائچہ تو یہ آیا انھیں نظر
ہے مشتری حضیض میں مریخ اوج پر
سعدین احتراق میں، عقرب میں ہے قمر
سیارے جتنے ہیں، متحیر ہیں سر بسر
ثابت یہ کررہا ہے زحل اپنی چال سے
عالم تباہ ہوگا جدال و قتال سے

ناگہ سبھوں نے بند کتابیں کیں سر جھکائے
سینوں میں دل تڑپ گئے اشک آنکھوں سے بہائے
ظلم یزید شوم پہ کی دل میں اک نے وائے
بے ساختہ نکل گیا منھ سے کسی کے ہائے
انجام کار اُن پہ تو بالکل ثبوت تھا
آنکھوں سے اشک بہتے تھے لب پر سکوت تھا

بولا کوئی بتاؤ نہ اتنا عذاب دو
تسکین بسلموں کو دم اضطراب دو
بیتاب دل ہیں کچھ خبر انتخاب دو
حاکم کو اضطراب ہے جلدی جواب دو
حالت امیر شام کی صدمے سے غیر ہے
اتنا تو منھ سے کہہ دو کہ حاکم کی خیر ہے

آخر کہا انھوں نے کہ سن اے امیر شام
در پیش تجھ کو جنگ ہے آج اے خجستہ کام
ہے بیس دن کی راہ پہ اک کربلا مقام
واں ایک تشنہ لب پہ ہے اس وقت اژدہام
احمدؐ کی جان، فاطمہؑ کا نورعین ہے
نام اس بزرگوار جہاں کا حسینؑ ہے

دل اہل روم و کوفہ کا گھٹتا ہے بار بار
بادل سپاہ شام کا پھٹتا ہے بار بار
لشکر عبث نبرد میں کٹتا ہے بار بار
بڑھتی ہے پیاس جب تو جھپٹتا ہے بار بار
معدوم اس سبب سے یہاں کا نشاط ہے
دنیا ملے تو تخت کی پھر کیا بساط ہے

ایسے نہ رن کہیں تہہِ چرخ کہن پڑے
یوں ضرب پڑ رہی ہے کہ جس طرح گھن پڑے
آئے خدا کا قہر تو کیا کس کو بن پڑے
اس وقت تک تو فوج میں لاکھوں کے رن پڑے
لیکن غضب کی کثرتِ لشکر وغا میں ہے
کوفے میں ایک صف ہے اور اک کربلا میں ہے

دس لاکھ کی سپاہ کو اس دم ہے انتشار
جھنجھلا رہا ہے فوج پہ حیدرؑ کا یادگار
ہوتا ہے دل جو پیاس کی شدت سے بے قرار
رَہ رَہ کے لشکروں پہ جھپٹتا ہے بار بار
حقا کہ یکّہ تاز جہاں دوسرا میں ہے
کوفے میں ہے کبھی تو کبھی کربلا میں ہے

اس شیر نے پیا ہے کسی فاطمہؑ کا شیر
اے شاہ اس سے تجھ کو روا تھی نہ دار و گیر
لیکن جہاں یہ ہے وہاں یہ بھی ہے اے امیر
انجام کار ہے ظفرِ لشکر کثیر
حالت سپاہ شام کی گو غیر ہوگئی
پانی نہیں دیا یہ بڑی خیر ہوگئی

بولا شقی اسی پہ سدا ہے نظر مری
فوج شکست سے ہے شکستہ کمر مری
انجام کے خیال سے ہے چشم تر مری
کیونکر مگر یقیں ہو کہ ہوگی ظفر مری
غم سے قرار قلب کو دم بھر نہ آئے گا
بے امتحان کے مجھے باور نہ آئے گا

بولے ادب سے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ کہ خوب
ہر چند ہے خدائے جہاں عالم الغیوب
اُٹھے گا اک غبار سیہ جانب جنوب
لکھ رکھ اسے کہ چار گھڑی قبل از غروب
لاریب اے امیر بڑا خوش نصیب ہے
وہ حملۂ اخیر حسینؑ غریب ہے

یہ سن کے اُٹھ کھڑا ہوا غدارِ پر غرور
آیا محل میں چھوڑ کے ان کو بصد سرور
جاتا تھا دوڑتا ہوا بانی مکر و زور
پوچھا جو عورتوں نے کہ ہے خیریت حضور
ہے خیر، ان سے کہہ کے لعیں آگے بڑھ گیا
دامن اٹھا کے جلدی سے کوٹھے پہ چڑھ گیا

فتح و ظفر کی بسکہ ستمگر کو تھی پڑی
ساعت وہ ہوگئی تھی لعیں کو بری گھڑی
تھی جانبِ جنوب نظر شوق میں گڑی
مضطر ٹہل رہا تھا لئے ہاتھ میں گھڑی
سمجھا شقی کہ خاک میں اقبال مل گیا
جب نعرۂ حسینؑ سنا قلب ہل گیا

سچ ہے، شدید، موت سے ہوتا ہے انتظار
تھا فرط اشتیاق سے غدار بے قرار
تکتا تھا دور بین لگائے ستم شعار
ناگہ اُٹھی جنوب سے گرد سیاہ تار
دکھلا دیا گھڑی نے بھی جب دل کے چین کو
منھ سے نکل گیا کہ وہ مارا حسینؑ کو

اب یاں سے یہ بھی سنیے کہ شبیرؑ ہیں کہاں
کوفے میں لڑ رہے ہیں شہنشاہ دو جہاں
لے کر عصا کو نکلے ہیں سجاد ناتواں
ہر سو جو کی نگاہ تو دیکھا یہ ناگہاں
نے ہیں امام پاک نہ لشکر کا دور ہے
صحرائے کربلائے معلیٰ ہی اور ہے

یاں یہ کھڑے ہیں لڑتے ہیں واں شاہ دوسرا
کھایا ہے پھر سپاہ نے گھونگھٹ دمِ وغا
دیکھا جو وقتِ عصر ہے نزدیک آگیا
فوجوں کو لے چلے سوئے صحرائے کربلا
نانا کو گاہ یاد کیا گاہ باپ کو
کہتے ہیں کربلا میں ہوئی عصر آپ کو

کاری لگے تھے زخم جو زہراؑ کے لال پر
نالاں طیور دشت تھے حضرت کے حال پر
ناگہ رُکا سمند زمین قتال پر
اک رقعہ آسماں سے گرا آکے یال پر
لطفِ خدا بدیدۂ نم دیکھنے لگے
آنکھوں پہ رکھ کے شاہ اُمم دیکھنے لگے

مضموں یہ تھا کہ فاطمہؑ کے نورعین بس
یہ جنگ ابن فاتح وبدر و حنین بس
فرقت سے اب نہیں ہے رسولوں کو چین بس
اُمت تباہ ہوتی ہے بس اے حسینؑ بس
ہر ضرب تیری ضرب خدائے کرام ہے
یوں ہی اگر لڑے گا تو دنیا تمام ہے

قدسی بیان کر نہیں سکتے ترے صفات
ہے اے حسینؑ ذات تری فخر کائنات
ہم کو خوش آئی صبر کی تیرے ہر ایک بات
مشکور تیری سعی کی ہے خود ہماری ذات
ہے وقت عصر مہر بھی دم میں غروب ہے
تیغوں میں اب نماز بھی پڑھ لے تو خوب ہے

دو دن کی پیاس میں کوئی ایسا لڑا نہیں
یوں دین کا جہان میں جھنڈا گڑا نہیں
رُتبے میں تجھ سے خلق میں کوئی بڑا نہیں
اس طرح کا حسینؑ کبھی رن پڑا نہیں
مشکل ہے اب کہ نام وغا فوج شوم لے
شبیرؑ تیرے ہاتھ ہمارے ہیں چوم لے

اب روئیں اہل مجلس ماتم پکار کے
روکی ہے شہ نے تیغ ہزاروں کو مار کے
آئے ہیں دھیان اطاعت پروردگار کے
پھینکا ہے تن سے خود و زرہ کو اتار کے
فرماتے ہیں کہ دل متمنّی ہے درد کا
آؤ کہ مجھ کو حکم نہیں ہے نبرد کا

لو برچھیاں چلیں جگر چاک چاک پر
تیغیں بھی ٹوٹنے لگیں لو جسم پاک پر
نیزہ بھی لو پڑا جگر دردناک پر
لو زین سے حسینؑ گرے فرشِ خاک پر
جلتے ہیں زخم تن طپش آفتاب سے
آئے زمیں پہ، پاؤں جو نکلے رکاب سے

جلتی زمین ہوش میں لائی حسینؑ کو
آیا یہ دھیان فاطمہؑ کے نورعین کو
شبیرؑ اب وداع کرو دل سے چین کو
اب تک ادا کیا نہیں خالق کے دین کو
لو ختم زندگی تہ شمشیر ہوگئی!
سجدے میں اے حسینؑ بڑی دیر ہوگئی

اُٹھے یہ کہہ کے خاک سے سلطان بحر و بر
اللہ اکبرُ آپ نے کہہ کر جھکایا سر
اب اس جگہ پہ دیکھئے ظلم سپاہ شر
سجدے میں سر پہ چل رہے ہیں خنجر و تبر
طاعت کا خاتمہ شہ گردوں مکاں پہ ہے
اس پر بھی ذکر رَبِّیَ الْاَعْلٰی زباں پہ ہے

لو آکے سر پر پڑ گیا اک گرزِ گاؤ سر
لو ہاتھ سر پہ رکھ کے گرے شاہ بحر و بر
لو آستیں اُلٹ کے بڑھا شمر بد گُہر
قاتل پہ لو وہ پڑ گئی شبیرؑ کی نظر
خنجر جو دیکھا فاطمہؑ کے نور عین نے
کھولا خود اپنا آپ گریباں حسینؑ نے

خنجر کو تیز کرتا تھا واں شمر بے حیا
ناگاہ ابن سعد ستمگر نے دی صدا
اے شمر تھم ذرا کہ یہ ٹھہرا ہے مشورا
پامال زندگی میں ہو لاش شہ ہدا
کوئی دقیقہ چھوٹ نہ جائے عناد کا
آیا ہے حکم یہ ابھی ابن زیاد کا

آیا قریب شاہ نہ پھر شمر بد شعار
ہر سو بغور تکنے لگے شاہ نامدار
حضرت کی دہنی سمت کو اٹھنے لگا غبار
حکم امیر سے ہوئی ناگاہ یہ پکار
لاشیں اُٹھائیں اپنے عزیز و قریب کی
پامال ہوگی لاش حسینؑ غریب کی

ناگاہ لوگ ہٹ گئے گھوڑوں کی راہ سے
لاشے بھی سب اُدھر کے اُٹھے رزم گاہ سے
ہلتا تھا رن بتولؑ کی فریاد و آہ سے
حضرت بھی دیکھتے تھے یہ ساماں نگاہ سے
میت رہی نہ کوئی کسی کے قریب کی
اک لاش رہ گئی تو حسینؑ غریب کی

لیجے سوار گھوڑوں پہ اپنے سنبھل گئے
لیجے وہ ہاتھ کوڑوں کے گھوڑوں پر چل گئے
لیجے کلیجے دیکھنے والوں کے مل گئے
لیجے ادھر کے رخش اُدھر کو نکل گئے
اس وقت بھی نہ دل سے شہ دیں نے آہ کی
آئی صدا تو اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ کی

اب روئیں مومنین یہ مجلس اخیر ہے
وقتِ عزائے ابن شہ قلعہ گیر ہے
پامالی تن شہ گردوں سریر ہے
نیچے سموں کے ابن جناب امیر ہے
حالت یہ ہے جو زیست میں ابن بتولؑ کی
تھرا رہی ہے قبر جناب رسولؐ کی

سلطانِ دو جہاں کا یہ احوال دیکھئے
دم توڑتا ہے فاطمہؑ کا لال دیکھئے
ڈیوڑھی پہ سر ہے کھولے ہوئے آل دیکھئے
رن میں حسینؑ ہوتے ہیں پامال دیکھئے
پُر خوں عبا ہے لاشۂ شہ پر پڑی ہوئی
بنتِ رسولؐ دیکھ رہی ہے کھڑی ہوئی

ماہرؔ قتیل وکشتۂ خنجر ہوئے حسینؑ
افسوس آبِ تیغ سے لب تر ہوئے حسینؑ
گلگوں قبائے عرصۂ محشر ہوئے حسینؑ
زینبؑ اسیر ہوگئیں بے سر ہوئے حسینؑ
کیا لکھوں حال اس کے تن پاش پاش کا
سر نے بھی ساتھ چھوڑ دیا جس کی لاش کا

رباعی

ندیؔ الہندی

دنیا میں سعید ازلی بن جاؤ
غمخوارِ ولی ابن ولی بن جاؤ
شبیرؑ کے مقصد کی حفاظت کرکے
انصار حسینؑ ابن علیؑ بن جاؤ